مدیر مسئول

محمد عطاء اللہ حنیف

جماعت اہلحدیث کا ترجمان اور مسلک اہلحدیث کا داعی

جلد ۳۶ شمارہ ۳۲ جمعۃ المبارک

۱۵ جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ھ

۸ مارچ ۱۹۸۵ء

مجلس ادارت

حافظ صلاح الدین یوسف

علیم ناصری ایم۔ اے

معاون

محمد سلیمان انصاری

66647

مندرجات

بدلِ اشتراک: سالانہ ۵۰ روپے، فی پرچہ ڈیڑھ روپیہ

ممالک غیر سے ۲۰ پونڈ

مولانا کرم دین سلفی کا انتقال پُر ملال

موت العالِم موت العالَم

میرے بہنوئی حضرت مولانا کرم دین سلفی مورخہ ۱۶ فروری بروز ہفتہ رات سوا دو بجے شدید علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ آپ عرصہ تین سال سے شارجہ میں تبلیغی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ دو سال سے شوگر کی تکلیف تھی۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ ہوا۔ گنگرین یعنی انجماد خون کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ دائیں ٹانگ کا خون پاؤں سے جمنا شروع ہو گیا اور ٹانگ مردہ ہوتی چلی گئی۔ دوبئی ہسپتال میں پندرہ دن زیر علاج رہے۔ ڈاکٹروں نے ٹانگ کاٹنے کا فیصلہ کیا۔ مگر انہوں نے ٹانگ کٹوانے سے انکار کر دیا۔ وہاں سے احباب نے بذریعہ طیارہ انہیں بچوں سمیت لاہور بھیج دیا۔ اور مجھے ٹیلیفون پر اطلاع کر دی۔ میں نے چھ فروری کو انہیں لاہور ہی گنگا رام سنز ہسپتال میں داخل کروا دیا۔ یہاں بھی ڈاکٹروں نے یہی کہا کہ ٹانگ کاٹنے کے سوا کوئی علاج نہیں۔ پھر چند دن لاہور میں ایک طبیب کا علاج کرایا۔ مگر طبیعت نہ سنبھل سکی۔ آخر کار جمعرات کو گھر اوکاڑہ لے آیا۔ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ پس ماندگان میں ایک بیوہ اور چار چھوٹے بچوں کے علاوہ بہت سے عزیز و اقارب اور شاگردوں کی کثیر تعداد سوگوار چھوڑ گئے۔ بروز ہفتہ بعد نماز ظہر حضرت مولانا حافظ بنیامین صاحب شیخ الحدیث ماموں کانجن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ کثیر تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک ہوئے۔ اور چار بجے شام اوکاڑہ ہی میں انہیں بڑے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

آپ کئی سال تک دارالحدیث رحمانیہ کراچی میں بطور مدرس و شیخ الحدیث تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ تحریر سے بھی شغف تھا۔ فاتحہ خلف الامام پر ایک مدلل کتاب لکھی۔ مختلف موضوعات پر کئی رسائل شائع کئے۔ اور اب بخاری شریف پر تحقیقی کام کر رہے تھے جو کہ تقریباً انہوں نے مکمل کر لیا تھا۔ یہ ان کا علمی کام اگر زیور طبع سے آراستہ ہو گیا تو ان کی علمی یادگار رہے گا۔ جملہ احباب سے اپیل ہے کہ مرحوم کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھیں۔ (غمزدہ عبداللہ یوسف ناظم دارالحدیث اوکاڑہ)

الاعتصام

مولانا کرم دین سلفی کے انتقال پُر ملال کی اس اچانک خبر سے ادارہ ”الاعتصام“ کے تمام رفقاء کو بھی شدید صدمہ ہوا ہے۔ کیونکہ مولانا مرحوم بھی ادارے سے اور اس کے علمی کاموں سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ”الاعتصام“ کے بھی بڑے قدردان تھے۔ اور ادارے کے بانی حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ سے خاص عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ آج سے دو سال قبل جب شارجہ سے پہلی مرتبہ اپنے وطن پاکستان واپس آئے تھے تو ادارے میں بھی تشریف لائے تھے اور اپنے علمی کاموں کے سلسلے میں رہنمائی کی خواہش کا اظہار کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ مجھے بھی آپ ”دارالدعوۃ السلفیہ“ کا ایک ”رفیق“ ہی سمجھا کریں۔ اور ایسے کچھ علمی کام بھی میرے سپرد کریں جو میں شارجہ (عرب امارات) میں رہ کر کر سکوں کیونکہ وہاں میرے پاس زیادہ کتابیں نہیں ہیں۔ اس پر راقم نے انہیں دو کتابوں کے نام بتلائے کہ آپ ان کو اردو میں ڈھال دیں۔ بعد میں ان کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ ایک کتاب کے اردو ترجمے پر تو انہوں نے ایک اور نوجوان اہل حدیث ہندی عالم کو، جو وہیں عرب امارات میں سعودی مبعوث ہیں، لگا دیا ہے۔ امید ہے کہ یہ علمی سلسلہ جاری رہے گا۔

بہر حال مرحوم اچھے صاحب علم اور اہل علم کے قدردان تھے اور علمی کاموں سے شغف رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی دینی، علمی اور تبلیغی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل اور اپنی خاص نصرت و اعانت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین

(راقم غمگسار صلاح الدین یوسف)

فون دفتر الاعتصام
۵۴۴۰۶
جلد ۔۔۔ ۳۶
شمارہ ۔۔۔ ۳۲

آئینِ پاکستان قرآن و سنّت کا آئینہ دار ہونا چاہیئے

ہماری ان معروضات کی اشاعت تک قومی اور صوبائی انتخابات مکمل ہو چکے ہوں گے اور منتخب ممبران شیروانیوں کی تیاری میں مصروف اور افتتاحی اجلاسوں کی تاریخوں کے منتظر ہوں گے۔ خدا کرے کہ منتخب ہونے والے ممبران اُس اسلامی مجلسِ شوریٰ کے اہل ہوں جس کا بار بار دعویٰ کیا جا رہا ہے اور جس کے ذمے یہاں اسلامی نظام کا مکمل اور حتمی نفاذ ہے۔ اس سے قطع نظر اخبارات میں آئین ۱۹۷۳ء میں اس ترمیم کا بار بار چرچا ہو رہا ہے جس کے مطابق صدرِ مملکت اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ شاید ہماری گزارشات کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے اس ترمیم کی اشاعت بھی ہو چکی ہو گی مگر ہم اس سلسلے میں نہ کوئی مشورہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی تجویز کے خواہاں ہیں۔ کیونکہ یہ خالصتہً آئینی معاملہ ہے۔ اور "رموزِ خسروانہ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیز یہ جمہوریت نوازی کا ایک لازمہ ہے جس کو اسلامی آئینِ مملکت میں فٹ کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ جس جمہوریت کا یہاں احیاء کیا جا رہا ہے وہ نہ اس سے پہلے کامیابی سے چل سکی ہے اور نہ اب اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا مطمح نظر شروع سے "سلطنت و اقتدار" ہی رہا ہے۔ اور اس کے لیے ہمیشہ "اقتدار و اختلاف" کی کش مکش ہی بروئے کار رہی ہے۔ اصلاح و فلاحِ ملّت و مملکت پر کبھی عمل نہیں کیا گیا ۔۔۔ ہم ان آنکھوں سے یہاں حکومتی ایوانوں میں تُو تکار دیکھتے اور سڑکوں پر نعرہ ہائے انتشار سنتے چلے آ رہے ہیں۔ نہ یہاں کوئی ایک قومی نظریہ فروغ پا سکا، اور نہ متحدہ اور متفقہ آئین ہی قائم رہ سکا ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ پاکستان کے قیام کا مشترکہ مقصد یہاں روبہ عمل نہیں آیا، اور جس اسلام کو نظریۂ پاکستان کا نام دیا گیا تھا۔ اس کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ اس کا نتیجہ جو ہونا چاہیئے تھا وہی ہوا۔ اور ہم اب تک ملکی سیاست میں جمہوری تماشوں کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ ہمیں اسلام اور نظریۂ پاکستان یاد بھی نہیں رہ گیا کہ وہ کیا تھا۔ اور کیوں تھا؟

موجودہ حکومت اور صدرِ مملکت محترم جنرل ضیاء الحق صاحب نے اسلام کے نعرے کو بہت فروغ دیا ہے اور بعض اسلامی دفعات کے اعلان کے بعد یہ باور کر لیا ہے کہ ہم نے مملکت کی گاڑی کو اسلام کی پٹڑی پر گامزن کر دیا ہے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت ۱۹۷۳ء کے آئین میں ترمیم کرنا چاہتی ہے مگر حزبِ مخالف اس آئین کو من و عن بحال کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے تو اُس جمہوری کش مکش کی تعداد اُبھر کر سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ جس میں غلام محمد اور سکندر مرزا کی "صدارتی آمریت" اور بھٹو کی "وزارتی ملوکیت" دنیا کو "تماشائے اہلِ کرم" دکھا رہی تھی ۔۔۔ ہم گزارش یہ کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا کے بنائے ہوئے آئین اور انسانوں کے وضع کردہ دستور کبھی فلاح و خیر کے ضامن نہیں ہو سکتے۔ پاکستان میں اصل مسئلہ انسانوں کے اقتدار کا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہاں قانونِ الٰہی کے نفاذ کو اولیت دینے کی ضرورت ہے۔ یہاں

"عوام" پر "عوام" کے لیے "عوام" کی حکومت کا جمہوری نعرہ غیر اسلامی ہے۔ یہاں "اللہ کے بندوں پر" "اللہ کے بندوں" کے ذریعے "اللہ تعالیٰ کی" حاکمیت کی ضرورت ہے اور اس کا حصول سوائے اس کے ناممکن ہے کہ یہاں قرآن وسنت کا نظام پوری قوت سے نافذ کیا جائے کسی عہدے دار کے اختیارات سے زیادہ اس کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں اہم ہیں جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں کندھوں پر اٹھانے کی ضرورت ہے جب تک صدر اور وزیر اعظم اپنے آپ کو خادمانِ اسلام کی سطح پر نہیں اتار لیتے وہ اسلام کی کوئی خدمت ہی نہیں کر سکتے۔ اوّل تو اسلام کے نظامِ شوریٰ کا جو دعوےٰ کیا جا رہا ہے اس میں دو سربراہوں (صدر اور وزیر اعظم) کی گنجائش ہی نہیں۔ وہاں تو ایک سربراہ (اسے خلیفہ یا صدر کچھ بھی کہا جا سکتا ہے) اور اس کی شوریٰ کے علاوہ صوبوں یا ریاستوں کے عمال ہی کار فرما نظر آتے ہیں وزیر اعظم کی ضرورت کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اور اگر جمہوریت کی مجبوری سے اس کے بغیر کام نہیں چلتا اور "آئینی اور انتظامی" سربراہیاں اس کا لازمی جزو ہیں تو اس کا حل بھی قرآن وسنت ہی سے دریافت کرنا چاہیئے اور اصل مقصد قرآن وسنت ہی کی بالادستی ہونا چاہیئے۔ اس صورت میں ۱۹۷۳ء کے آئین کو بھی قرآن وسنت ہی کا آئینہ دار بنانے کی ضرورت ہے جو موجودہ اسمبلیوں کے ذریعے (اگر وہ اس کی اہل ہیں) بنایا جانا چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو اکھاڑ پچھاڑ کا بازار (خدانخواستہ) گرم ہی رہے گا اور ہم اپنی وہ منزل نہ پاسکیں گے جس کی طرف ملک کی گاڑی کے گامزن ہونے کا یقین دلایا جا رہا ہے۔ (ع۔ن)

"البریلویۃ" کی ضبطی اور اُس پر پابندی کیوں؟

اخبارات کے ذریعے سے یہ معلوم کرکے ہمیں سخت افسوس ہوا کہ حکومتِ پاکستان نے علامہ احسان الٰہی ظہیرؔ کی ایک عربی تالیف "البریلویۃ" کو ضبط کر لیا ہے اور اس کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی ہے۔

اس کتاب میں کیا ہے؟ کیا فرقہ واریت کو ہوا دی گئی ہے؟ خانہ ساز اور من گھڑت حوالوں سے ایک مخصوص فرقے کے امیج کو خراب کیا گیا ہے؟ یا بلا وجہ طعن وتشنیع کرکے اشتعال انگیزی کی گئی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو فی الواقع اس کتاب کی ضبطی بجا اور اس پر پابندی صحیح۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے۔ اس میں ایک فرقے کی تاریخ اور اس کے عقائد کا ذکر ہے اور اس کے بانی کے حالات ہیں، اور یہ ساری تفصیل خود انہی کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہے۔ عرب چونکہ اس فرقے کے مبتدعانہ نظریات اور مشرکانہ عقائد واعمال سے بے خبر تھے۔ ان کی آگاہی کے لیے عربی میں یہ کتاب تالیف کی گئی ہے۔ اس میں بیان کردہ بریلوی عقائد واعمال کی تفصیل اگر خلافِ واقعہ ہے تو پھر بلاشبہ مؤلّف کتاب مجرم اور گردن زدنی ہے اور کتاب سوختنی۔ لیکن کتاب کی ضبطی سے پہلے عدالت میں اس کا ثبوت مہیا کیجئے اور یہ اعلان کیجئے کہ ہمارے عقائد واعمال وہ نہیں جو اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ آئینہ دکھلانے پر بُرا ماننا اہلِ دانش و بینش کا شیوہ نہیں۔

اگر بلا تحقیق کتابوں کی ضبطی کا یہ سلسلہ چل نکلا تو پھر تو فاضل مؤلّف کی تمام کتابیں ہی قابلِ ضبطی ہوں گی کیوں کہ ان کی بیشتر کتابیں مختلف فرقوں کے عقائد واعمال کی تفاصیل پر ہی مشتمل ہیں۔ مثلاً "البابیۃ"، "البہائیۃ"، "الشیعۃ والسنۃ"، "الشیعہ واہل البیت"، "الشیعۃ والقرآن"، "القادیانیۃ" وغیرھا کیا یہ سارا علمی ذخیرہ قابلِ ضبطی ہے؟ اور کیا علم ودانش پر اس طرح پہرے بٹھانا صحیح طریق کار ہے؟ بہر حال ہم حکومت سے عرض کریں گے کہ وہ محض چند لوگوں کے کہنے سے علم وتحقیق کا دروازہ اس طرح بند نہ کرے بلکہ تحقیق کے بعد کوئی قدم اٹھائے۔ بلاشبہ فرقہ وارانہ اشتعال انگیز مواد کی اشاعت کی اجازت نہیں ہونی چاہیے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جس مواد کو ایسا باور کرایا جائے اس کا فی الواقع ثبوت بھی مہیا کیا جائے۔

ؔ جو ہو سکے ہمیں پامال کرکے آگے بڑھ
نہ ہو سکے تو ہمارا جواب پیدا کر (ص-ی)

درس عبرت و موعظت
(قسط ــ ٢)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی - رفیق دار المصنفین (ہند)

قرآن کریم کی روشنی میں یہود پر نازل کردہ عبرتناک سزاؤں کی تفصیل

٧- لعنت اور پھٹکار

لعنت ذلت سے دھتکارنے یا رحمتِ الٰہی سے دور کرنے کا نام ہے۔ رحمتِ الٰہی سے دوری کے بعد آدمی کی حیثیت اس درخت کی طرح ہو جاتی ہے۔ جس کی جڑیں کٹ گئی ہوں، اب اُسے کتنا ہی پانی دیا جائے مگر سرسبزی و شادابی ممکن نہیں ہے۔ کسی قوم پر اللہ کی لعنت اُس عذاب سے بھی زیادہ سخت ہے، جو اسے تباہ کر دے۔ لعنت کے بعد وہ قوم زندہ تو رہتی ہے مگر اُس کی زندگی صرف ذلت و خواری کی ایک داستانِ عبرت ہوتی ہے۔

قرآن نے جابجا یہود کی اس حالت کا ذکر کیا، اور اسی کے ساتھ ان اسباب کا ذکر بھی کیا ہے جن کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق ہوئے تھے، ملاحظہ ہو۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ (بقرۃ: ٨٨) "اور یہود کہتے ہیں کہ ہمارے دل بند ہیں (نہیں) بلکہ اللہ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے لعنت کر رکھی ہے، سو وہ بہت تھوڑا ایمان رکھتے ہیں"

وہ نہایت فخر سے کہتے تھے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواہ کچھ کہیں اور کریں ہم پر اثر نہیں ہو سکتا ہے، ہمارے دل غلاف کے اندر ہیں اس لیے گرد و غبار اور خس و خاشاک سے محفوظ ہیں۔

قرآن نے کہا کہ ضد اور ہٹ دھرمی سے حق کو قبول نہ کرنا کوئی قابلِ قدر بات نہیں ہے۔ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (بقرۃ: ٨٩) "اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آگئی جو مطابق ہے۔ اس چیز کے جو ان کے پاس (پہلے سے) موجود ہے، اور اس کے پہلے وہ خود کافروں پر فتح چاہتے تھے۔ لیکن جب ان کے پاس وہ آگئی جس کو خوب جانتے تھے۔ تو انہوں نے اس کا انکار کیا، سو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر"

ایک جگہ ان کے بیّنات و ہدیٰ کو چھپانے کا انجام یہ بتایا گیا ہے:۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (بقرہ - ١٥٩) "بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت میں نازل کر چکے ہیں بعد اس کے کہ ہم اسے لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر چکے ہیں کتاب میں، یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں"

"لاعنون" کی وضاحت دوسری جگہ اس طرح کی گئی ہے۔ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (آل عمران) "یہی وہ لوگ ہیں جن کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہوتی ہے"

گویا وہ صرف اللہ کی لعنت ہی کے نہیں بلکہ ملائکہ اور ساری خلقت کی لعنت کے سزاوار ہیں، اس لیے کہ اللہ نے ان کو امامت و شہادت کے منصب پر مامور کیا تھا اور ان کو کتاب و ہدایت کی نعمت بخشی تھی اور ان سے عہد لیا تھا کہ وہ اس امامت کو لوگوں

کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں گے اور اس کو ان سے پوشیدہ نہ رکھیں گے مگر انہوں نے اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کی ہے اس لیے لوگ بھی ان کے لیے بددعا کریں گے اور خدا کی مخلوق کی بھی ان پر دھتکار پڑے گی۔

یہود کی دین حق سے بیزاری اور مسلمانوں سے بغض و نفرت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ توحید کے بجائے شرک میں ملوث ہو گئے تھے اور مشرکین کو مسلمانوں سے بہتر اور ہدایت یافتہ سمجھنے لگے تھے، کیا اس کے بعد وہ خدا کی رحمت سے دور کئے جانے اور لعنت و ملامت کی سزاوار نہ تھے، فرمایا۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا (نساء-۵۲) "یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کر دی ہے اور جن پر اللہ لعنت کر دے تو تم ان کا کوئی مددگار نہیں پا سکتے"

تورات بھی ان کی ملعونیت کے ذکر سے بھری ہوئی ہے ملاحظہ ہو:- "لیکن اگر تو خداوند اپنے خدا کی آواز کا شنوا نہ ہو گا کہ اس کے سارے شرعوں اور حکموں پر جو آج کے دن تجھے بتاتا ہوں دھیان رکھ کر عمل نہ کرے، تو ایسا ہو گا کہ یہ ساری لعنتیں تجھ پر آئیں گی۔ اور تجھ تک پہنچیں گی تو شہر میں لعنتی ہو گا اور تو کھیت میں لعنتی ہو گا، تیرا ٹوکرا اور گھٹرا لعنتی ہو گا، تیرے بدن کا پھل اور تیری زمین کا پھل، تیری گائے، بیل کی بڑھوتری اور تیرے بھیڑ بکری کے گلے لعنتی ہو جائیں گے تو اندر آنے کے وقت لعنتی ہو گا اور تو باہر جانے کے وقت لعنتی ہو گا۔ خداوند ان سارے کاموں میں جن میں تو کرنے کے لیے ہاتھ لگا دے، تجھ پر لعنت اور حیرت اور ملامت نازل کرے گا، یہاں تک کہ تو ہلاک ہو گا اور جلد نابود ہو جائے گا۔ تیرے عملوں کی برائی کے باعث جن کے سبب تو نے مجھے ترک کیا، خداوند ایسا کرے گا کہ وبا تجھ سے لپٹی رہے گی" (استثناء باب ۲۸، ۱۵-۲۰)

"دیکھو میں آج کے دن تمہارے آگے برکت اور لعنت رکھ دیتا ہوں، برکت جب کہ تم خداوند اپنے خدا کے حکموں کو جو آج میں تمہیں فرماتا ہوں، مانو۔ اور لعنت جب کہ خداوند اپنے خداوند کی فرمانبرداری نہ کرو، اور اس راہ سے جس کی بابت آج میں تمہیں فرماتا ہوں پھر کے غیر معبودوں کی پیروی کرو جنہیں تم نے نہیں جانا۔ (استثناء باب ۱۱، ۲۶-۲۸)

قرآن مجید نے یہود پر حضرت داؤدؑ اور حضرت مسیحؑ کی لعنت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہے۔ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ (مائدہ: ۷۸) "بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی سے لعنت ہوئی یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھ جایا کرتے تھے"

لیکن اس سے مقصد صرف ان دو نبیوں کی لعنت کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ بتانا ہے کہ حضرت داؤد سے لے کر حضرت مسیحؑ تک ہر ہر نبی نے ان پر لعنت کی ہے۔ کیونکہ خود تورات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تمام انبیاء نے ان پر لعنتیں بھیجی ہیں۔ قرآن نے ابتداء و انتہاء کے دو نبیوں کا نام محض اختصار کی وجہ سے لیا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کی اصل سیاسی عظمت کی ابتدا حضرت داؤدؑ ہی کے زمانہ سے ہوئی تھی۔ اور حضرت مسیحؑ اسرائیلی سلسلۂ نبوت کے آخری پیغمبر ہیں۔ اس لیے اول و آخر کے دو نبیوں کا نام لینے سے گویا تمام نبیوں کا ذکر ہو گیا ہے۔ یہاں اختصار کی بنا پر ان ہی دونوں پیغمبروں کی لعنتوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

"پر شریر کو خدا کہتا ہے تجھے میرے حکموں کو بیان کرنے سے کیا کام ہے کیوں اپنے منہ سے میرے عہد کا ذکر کرتا ہے حالانکہ تو تربیت سے عداوت رکھتا ہے اور میرے کلام کو اپنے پیچھے پھینکتا ہے، جب تو چور کو دیکھتا ہے تو اس سے راضی ہوتا ہے اور زانیوں کا شریک ہوتا ہے۔ تو اپنا منہ شرارت پر چلاتا ہے اور زبان سے دغا کا منصوبہ باندھتا ہے تو بیٹھ کے اپنے بھائی کی غیبت کرتا ہے اور اپنی ہی ماں کے بیٹے پر تہمت لگاتا ہے، تو نے یہ کام کئے اور میں خاموش رہا۔ تو نے گمان کیا کہ میں تجھ ہی جیسا ہوں، پر میں تجھے

ملامت کروں گا۔ اور تیرے کاموں کو تیری آنکھوں کے آگے ایک ایک کرکے دکھاؤں گا۔ اب اے خدا کے فراموش کرنے والو! اس کو سوچو، ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں پارہ پارہ کردوں اور کوئی چھڑانے والا نہ ہو۔"

(زبور، ۵۰۔ ۱۶۔ ۲۲)

حضرت مسیح ؑ کی لعنت و ملامت ملاحظہ ہو:۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس! تم بیواؤں کے گھروں کو دبائے بیٹھے ہو، اور دکھاوے کے لیے نماز کو طول دیتے ہو۔ تم ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو، اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو ...... اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔ اے اندھے راہ بتانے والو، مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اس طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو، مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ نبیوں کی قبریں بناتے ہو۔ اور راستبازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو، اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانے میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں شریک نہ ہوتے اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ اے سانپو، اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ اس لیے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ ان میں سے بعض کو تم قتل کرو گے، صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے۔ تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے۔ راستباز ہابیل کے خون سے لے کر زکریاہ کے بیٹے زکریا کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانہ کے لوگوں پر آئے گا۔ اے یروشلم اے یروشلم تو جو نبیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتی ہے، کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کروں گا مگر تم نے نہ چاہا، دیکھو تمہارا گھر تمہارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے جب تک نہ کہو گے کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے۔

(متی ۔ ۲۳، ۱۴۔ ۳۹)

مولانا ابوالحسن علی ندوی، لکھنؤ۔ ہند

دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں

(۲)

عالمگیر اور دائمی دین کے لیے (جو اصلاحِ انسانیت و انقلابِ عالم کا علمبردار ہو) چار شرطیں

عقلِ سلیم کا فیصلہ، فطرتِ انسانی، مذاہب و ادیان کی تاریخ کا وسیع اور مبصرانہ مطالعہ، اقوام و ملل اور افراد انسانی کی نفسیات سے گہری واقفیت نیز تاریخ انسانی کی ان انقلابی و اصلاحی کوششوں اور تحریکوں کے نتائج کا بے لاگ جائزہ جن کی تاریخ محفوظ و معلوم ہے، سب اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ ایک ایسے دین کے لیے چار صفات و خصوصیات کا حامل و جامع ہونا ضروری ہے جو پوری نوعِ انسانی کو مخاطب کرتا اور اس کو صحیح اعتقاد و عمل، اعلیٰ اخلاق و کردار، بنیادی اصلاح و انقلاب کی دعوت دیتا ہو۔ اور تمدن و معاشرۂ انسانی کی نئی تنظیم و تشکیل کا داعی اور مدعی ہو۔ وہ خدا کا آخری دین اور پیغام ہو، جس کو قیامت تک باقی رہنا ہو اور انسانوں کی تربیت و تعلیم کا فرض انجام دینا ہو۔ اور وہ کسی زمانہ اور مقام کے ساتھ مخصوص نہ ہو۔

عرفی و رواجی طریقوں اور وسائل کے بغیر معجزانہ آدم گری و مردم سازی

۱۔ اس دین کے داعی اول اور پیغمبر کی تعلیم و تربیت اور صحبت میں ایسی تاثیر، انقلاب انگیزی اور قلب ماہیت کی طاقت اور ایسی آدم گری و مردم سازی کی شان ہو کہ اس کے سامنے "پارس" اور "کیمیا" کی اعجوبہ گری کا ذکر اس کی شانِ تاثیر کی توہین اور تاریخی حقائق سے ناواقفیت کی دلیل ہو۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی اس انقلاب انگیزی اور تبدیلی حال میں ان وسائل اور طریقوں کا محتاج نہ ہو جن سے دنیا کے دانشور، معلمینِ اخلاق، ماہرینِ تعلیم، سیاسی قائدین، تعلیمی و تربیتی ادارے، اور ذہین و دانش مند حکومتیں کام لیتی ہیں۔ مثلاً علوم و فنون کی ترتیب و تدوین، مؤثر کتابیں اور سحر انگیز خطبات، مطالعہ اور دعوت فکر، ادب و شاعری، حقائق و معانی کی تمثیل و تجسیم و انعامات عہدے اور مراتب وغیرہ وغیرہ، نیز ان دانشوروں، معلمین، قائدین اور اس پیغمبر کی تربیت و صحبت میں (جو اپنی دوسری بے سروسامانیوں اور مکان و زمان کی منفرد مشکلات کے ساتھ کتابی علم سے یکسر ناآشنا بلکہ حرف ناشناس، امیِ محض بھی ہے) ایسا فرق نظر آتا ہو، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ وہ تاثیر، یہ تاثیر، وہ انقلاب و تبدیلی اور یہ انقلاب و تبدیلی، دو علیحدہ اور ممیز جنس کی چیزیں ہیں، اور دونوں کا سرچشمہ بالکل الگ ہے، پیغمبر کی انقلاب انگیزی اور کردار سازی میں ارادۂ الٰہی، غیبی تائید اور ایک ایسا فرق دیکھنے والوں کو صاف نظر آتا ہے جس کو "نور نبوت" اور "برکت صحبت" کے علاوہ کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ پیغمبر کے تربیت کردہ و صحبت یافتہ لوگوں میں تعلق مع اللہ، اخلاص، عبودیت و تواضع، ایثار و بے نفسی، ذوقِ عبادت، تحقیرِ دنیا، فکرِ آخرت، احتساب نفس اور استقامت کی وہ شان پائی جاتی ہے جو فلاسفہ، دانشوروں ماہرین تعلیم اور معلمینِ اخلاق کے تیار کئے ہوئے لوگوں میں عنقا ہے۔

اس پیغمبرانہ تربیت و تاثیر اور انقلاب انگیزی کی قرآن مجید کی اس آیت میں پوری تصویر کھینچ دی گئی ہے جو قرآن مجید میں کئی جگہ تھوڑے فرق کے ساتھ آئی ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ

یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (سورۃ الجمعہ ۔ ۲) " وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے (محمدؐ) پیغمبر بنا کر بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انہیں (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں، اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے "

نیز آیت قرآنی :۔

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ط (سورۃ الحجرات ۔ ۷) " لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا۔ اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا "

اسی طرح آیت قرآنی : فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَھُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَکَانُوْٓا اَحَقَّ بِھَا وَاَھْلَھَا (سورۃ الفتح ۔ ۲۶) " اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اہل تھے "

خود پیغمبر کی زندگی میں دعوت کی کامیابی اس کے متبعین کی تبدیلئ حال و استقامت ضروری ہے

پیغمبر کی زندگی میں ہدایت و تاثیر کی یہ اعجاز نمائی، اعتقادی و اخلاقی انقلاب انگیزی اور بڑی تعداد میں لیسے چلتے پھرتے دنیا کا کام کرتے انسانی نمونوں کا پیدا کر دینا جن پر فرشتے بھی رشک کریں اور جن کو دیکھ کر ملک کے ملک مسلمان ہو جائیں، اور ایک ایسا مکمل زندہ معاشرہ وجود میں آئے جو ہر طرح سے مثالی اور معیاری کہلایا جا سکے، اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ دین و دعوت ہرگز کامیاب نہیں کہلائے جا سکتے جو اپنے داعئ اوّل اور حاملِ پیغام کی زندگی میں دنیا کے سامنے معتد بہ تعداد میں کوئی مؤثر و کامیاب عملی نمونہ اور مثالی معاشرہ نہ پیش کر سکیں اور وہ درخت ہرگز باثمر اور شاداب نہیں کہا جا سکتا۔ جو اپنی جوانی اور موسم بہار (عہد نبوت) میں شیریں پھل نہیں دے سکا۔ اور عطر بیز شگوفے نہیں کھلا سکا۔ زمانۂ نبوت گذر جانے کے بعد اس دین و دعوت کے نمائندوں اور داعیوں کا منہ نہیں ہے کہ مرورِ زمانہ کے بعد اپنی معاصر نسل اور ہم عصر دنیا کو ایمان و عمل، خود سپردگی اور مکمل تبدیلی کی دعوت دے سکیں، جب کہ وہ اس کے ابتدائی و اوّلین عہد کی کوششوں کا کوئی ناقابلِ انکار اور اثر انگیز کامیاب نتیجہ نہیں پیش کر سکے۔

خاندانی سلطنت کے قیام و عروج کے بارے میں پیغمبر کا بانیانِ سلطنت اور دنیا دار قائدین اور رہنماؤں سے کھلا امتیاز

۲۔ اس داعئ دین مرسل من اللہ اور حاملِ رسالت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بانیانِ سلطنت، فاتحین و کشور کشاؤں، سیاسی قائدین و رہنماؤں سے اپنے مزاج و مذاق، کردار و عمل اور مقاصد و نتائج میں نہ صرف کھلا امتیاز رکھتا ہو بلکہ اس میں اور اس گروہ میں تباین اور تضاد پایا جاتا ہو، بانیانِ سلطنت، فاتحینِ ممالک، دنیا کے حوصلہ مند اور طالع آزما رہنماؤں کی کوششوں کا محور اور جدوجہد کا مقصدِ اعلیٰ یا کم سے کم قدرتی و لازمی نتیجہ خاندانی سلطنت کا قیام اور موروثی حکومت کی تاسیس ہوتی ہے اور یہ سلسلہ (جیسے کہ رومی بازنطینی، ساسانی، کیانی، سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کے عروج و اقبال کی تاریخ بتاتی ہے) صدیوں تک چلتا ہے اگر کسی غیر معمولی سبب کی وجہ سے یہ نہیں ہو سکتا تو کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ان بانیانِ سلطنت اور فاتحین کشور کشاؤں اور ان سیاسی رہنماؤں کے (جو اپنی تحریک میں کامیاب ہوئے) خاندان، فراواں دولت اور وسیع اسبابِ عیش و عشرت کے مالک بن جاتے ہیں، وہ اُردو مثل کے مطابق " دودھوں نہاتے اور پوتوں پھلتے ہیں " اور سونے اور چاندی کے جھولے میں جھولتے ہیں۔ گویا جنگل میں ایک شیر شکار کرتا ہے اور سینکڑوں جانور کھاتے ہیں۔ رومۃ الکبریٰ اور تختِ کیانی کے اورنگ نشینوں کے خاندانوں نے جو داد عیش و عشرت دی وہ ایسے الف لیلائی قصے ہیں جن کے پیچھے اگر تاریخی شہادتیں نہ ہوتیں تو ناقابلِ یقین تھے[1] کچھ اندازہ ایوان کسریٰ کے شان و شکوہ،

---

[1] ایران بعہد ساسانیان از پروفیسر آرتھر کرسٹن سین (PROF ARTHUR CHRISTENSEN) کا باب ہشتم آخری شاندار عہد" نیز "تاریخ ایران" (از شاہین مکاریوس) صفحہ ۹

فرش بہار کی محیر العقول تفصیلات اور روم و ایران و ہندوستان کے شاہی خاندانوں اور ان کے متوسلین کی طرز زندگی اور معاشرت سے ہو سکتا ہے۔

اس کے برخلاف خدا کا پیغمبر نہ کسی خاندانی سلطنت کی بنیاد رکھتا ہے۔ نہ اپنے خاندان کے مفادات کا تحفظ اور ان کے لیے عرصۂ دراز تک عیش و عشرت کے امکانات و مواقع کا انتظام کر جاتا ہے۔ جن کی بدولت وہ امت کے دوسرے طبقات کے مقابلہ میں زیادہ مرفہ الحالی اور فارغ البالی کی زندگی گذار سکیں بلکہ اس کا معاملہ ان کے ساتھ برعکس ہوتا ہے۔ اور وہ اس کی زندگی میں بھی دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ زہد و قناعت ایثار و قربانی اور عسرت و جفاکشی کی زندگی گذارتے ہیں اور اس کے بعد ان کو اپنی ذاتی صلاحیتوں اور جدّ و جہد پر اعتماد کرنا پڑتا ہے اور وہ برہمنوں اور پروہتوں یا کسی مقدس نسل و خاندان کی طرح مفت خور' اور تن آسان نہیں رہ سکتے۔

پیغمبر کا لایا ہوا آسمانی صحیفہ محفوظ، قابلِ فہم اور عام دسترس میں ہو

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ خدا کے اس پیغمبر پر جو آسمانی صحیفہ نازل ہوا ہو۔ اور جو اس کے دین کی اساس، اس کی دعوت و تعلیمات کا سرچشمہ، مخلوق کو خالق سے مربوط کرنے اور مربوط رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ، اپنے ماننے والوں میں سچی روحانیت پیدا کرنے کا طاقتور وسیلہ، عقائد بالخصوص عقیدۂ توحید کا قیامت تک کے لیے شارح، مُبیّن اور محافظ اور انسانیت کے لیے کتاب ہدایت ہو۔ اس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لیا ہو، اور اس کے اپنے ایک ایک حرف و نقطہ کے ساتھ محفوظ، قابل فہم ہونے اور بکثرت تلاوت و قراءت اور حفظ و استحضار کا انتظام قدرتِ خداوندی نے اس طرح کیا ہو کہ اس کی دنیا میں کوئی دوسری مثال نہ ملتی ہو۔ اس لیے کہ وہ خدا کی آخری کتاب اور انسانیت کے لیے سفینۂ نجات ہے، وہ انسانی دست برد، تغیر و تبدل، حذف و اضافہ اور تحریف کے ادنیٰ شائبہ سے محفوظ ہو،

اس لیے کہ اس کے بغیر نہ ہر زمانہ میں اس کی دعوت دی جا سکتی ہے نہ سند کے طور پر اس کو پیش کیا جا سکتا ہے نہ اس سے فائدہ اٹھایا اور پہنچایا جا سکتا ہے۔ عہد قدیم اور عہد جدید کی کتابوں (تورات، انجیل) اور صحف سماویہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ کس طرح ظالم حملہ آوروں اور دشمنانِ مذہب کے دست بُرد اور غارتگری کا شکار، دنیا پرست و ناخدا ترس مذہبی پیشواؤں کی تحریف لفظی و معنوی کا نشانہ اور انسانی تغافل اور اغراض دُنیویّہ کا میدان رہے اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ ان کی حفاظت انہیں کے متبعین کے ذمہ رہی "بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ" کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) اور قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ"، (بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں)

نبی کی ذات ہی واحد مرکز ہدایت اور تنہا شارح و مطاع ہو

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ نبی کی ذات ہی مرکز ہدایت، سرچشمۂ قیادت اور امت کی قلبی وابستگی اور ذہنی سپردگی کا محور ہو۔ اگر خالق کائنات کے بارے میں "توحید" کا عقیدہ ضروری ہے تو نبی کے ساتھ اطاعت، عقیدت و محبت اور اس کے "دانائے سُبُل، ختم الرسل، مولائے کل" ہونے کے سلسلہ میں امت کے اندر "وحدت" ضروری ہے اور اگر "شرک فی الالوہیت" کے مقابلہ میں ہم "شرک فی النبوۃ" کی تعبیر پسند نہ کریں، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کے علاوہ امت کی کسی دوسری ہستی کو

ے ملاحظہ ہو "تاریخ اسلام" مولوی عبدالحلیم شرر جلد اصفحہ ۳۵۴ ماخوذ از تاریخ طبری وغیرہ
ے تفصیل آئندہ سطور میں آئے گی۔
ے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر سید نواب علی صاحب کی فاضلانہ کتاب "تاریخ صحف سماوی" اور راقم سطور کی کتاب "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" مضمون "پہلے آسمانی صحیفے اور قرآن علم و تاریخ کی میزان میں" ص ۲۲۷-۲۴۳
ے سورۃ المائدہ - ۴۴
ے قرآن مجید کی محفوظیت کے بارے میں غیر مسلموں کی شہادتیں آگے آئیں گی۔
ے سورۃ الحجر - ۹

(باقی صـ ۲۲ پر)

قاری محمد عزیز صاحب ۔ ریاض ۔ سعودی عرب

قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کی اہمیت

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت محتاج وضاحت نہیں ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام بلیغ ہے کہ مکہ کے وڈیرے کفر کے باوجود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اسے سننے کے لئے راتوں کو کھڑے رہتے تھے ۔ دورِ جاہلیت کا ادیب ولبیب سورۂ کوثر کو بیت اللہ میں معلق دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ۔ مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ ۔

عمر بن خطاب نے نبی مکرم کے ارادۂ قتل کے بعد قرآن کی سماعت کی تو قساوتِ قلب رقّتِ قلب میں تبدیل ہو گئی اور ارادۂ قتل حلقۂ ارادت میں بدل گیا ، اور فاروق کا لقب پایا ۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل) " بے شک یہ قرآن صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے ۔ " قرآن کا اعجاز ہے کہ پڑھنے والے کو متأثر کئے بغیر نہیں چھوڑتا ۔ یہی وجہ ہے کہ جاہلیت کے عظیم شاعر لبید بن ربیعہ نے اسلام لانے کے بعد اشعار کہنا ترک کر دیا ۔ کبھی کبھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے اشعارِ جاہلیت سنانے کو کہتے تو وہ جواباً اتنا کہہ دیتے يَكْفِيْنَا الْقُرْاٰنُ ۔ قرآن کے ہوتے ہوئے اشعار کی کیا ضرورت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن ناطق ہے ۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِیْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (یٰس) " ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا ۔ وہ آپ کی شان کے لائق نہیں ہے وہ تو نصیحت اور کھلا ہوا قرآن ہے "

مگر دورِ حاضر کا مسلمان اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو وعظ میں شعر نہ سنایا جائے ۔ کسی شیخ اور تلمیذ نے ایک لڑکی کو فی البدیہہ یہ شعر کہتے ہوئے سنا ؎

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِذَنْبِیْ كُلِّهٖ
قَتَلْتُ اِنْسَانًا بِغَيْرِ حِلِّهٖ
مِثْلَ غَزَالٍ نَاعِمٍ فِیْ دَلِّهٖ
وَانْتَصَفَ اللَّيْلُ وَلَمْ اُصَلِّهٖ

" میں اللہ تعالےٰ سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگتی ہوں ۔ میں نے ایک انسان کو ناحق قتل کر دیا جو اپنی نزاکت میں نرم و نازک ہرن کی طرح تھا ۔ نصف رات گزر گئی اور میں نے ابھی تک اس کی نماز نہیں پڑھی "

تلمیذ سن کر داد دینے لگا کہ یہ لڑکی کس قدر ذوق رکھتی ہے بداہتۃً فصاحت و بلاغت سے بھرے ہوئے کیسے شعر کہہ دیئے ۔ شیخ نے کہا تو قرآن[1] سے بے خبر ہے ورنہ یہ بات ہرگز نہ کہتا ۔ کیا تو نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی ۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِی الْيَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (قصص آیت ۷) " اور ہم نے موسےٰ (علیہ السلام) کی ماں کو وحی کی کہ تو اس کو دودھ پلاتی رہ پھر جب تجھے خطرہ محسوس ہو تو اس کو دریا میں پھینک دینا اور نہ ڈرنا اور نہ غم کھانا بے شک ہم اس کو تیرے پاس لوٹائیں گے اور اس کو رسول بنائیں گے "

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے دو خبریں ۔ دو امر ۔ دو نہی اور دو بشارتیں جمع کر دی ہیں ۔

---

[1] یہ واقعہ سید سلیمان ندوی رح کی کسی کتاب غالباً ارض القرآن میں میں نے پڑھا تھا ۔ (عزیز) "ارض القرآن" میں یہ واقعہ نہیں ہے فاضل مضمون نگار مراجعت کر کے صحیح ماخذ کا حوالہ دیا کریں (ص ۔ ی)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ۔ " اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تو اس کو دیکھ لیتا کہ وہ اللہ کے ڈر سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا "

جب قرآن نازل ہوتا تھا تو رسول اللہ جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش کرتے تاکہ اس کا کوئی حصہ ضبط سے نہ رہ جائے ۔ ربّ ذوالجلال نے فرمایا ۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ " اے میرے رسول اپنی زبان کو قرآن کے پڑھنے میں جلدی حرکت میں نہ لائیں بلاشبہ اس قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کرنا اور زبان سے پڑھانا ہمارے ذمہ ہے " فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ (سورۃ قیامہ) " پھر جب ہم اس کو پڑھیں تو تو اس پڑھنے کی اتباع کر پھر اس کا بیان (تشریح) بھی ہمارے ذمہ ہے "

آیت کریمہ مذکورہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود پڑھتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سن کر ویسے پڑھنے کا حکم ہوا، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ جبریل امین پڑھ کر سناتے تھے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو پڑھ کر سناتا تھا اور جبریلؑ اسی طرح پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے چونکہ جبریل امین اللہ تعالیٰ کے نائب تھے اس لیے ان کے پڑھنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پڑھنا قرار دیا ۔ ظاہر ہے جس خوبصورتی سے اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو سنایا ہو گا اسی حسین لہجے میں جبریل امین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا ہو گا ۔ اور اسی طریقہ سے رسول اللہ نے اپنے تلامذہ راشدین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پڑھا سکھایا اور صحابہؓ نے تابعین کو، اسی انداز سے بعد والے حضرات نے پڑھا[1] اور پڑھایا ۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جلدی پڑھنے سے منع فرمایا تو امت کے کسی فرد کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے کہ وہ حروفِ قرآن کو کاٹتا جائے اور تیزی سے پڑھ کر قرآن کا مُثلہ کر دے ۔ اور جیسے چاہے پڑھنے کا اپنا انداز بنائے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اقرؤا القرآن بلحون العرب " تم قرآن کو عربوں کے لہجے کے مطابق پڑھو "

یاد رہے کہ عربوں کے لہجے سے مراد قرآن اولیٰ کے عربی لہجے مراد ہیں نہ کہ آج کے ۔ اس دور کے عربوں نے تو لغتِ عربیہ میں اس قدر تحریف کر دی ہے کہ الامان والحفیظ ۔

سعودیہ والوں نے ق کو گ میں اور ثا کو تا میں بدل دیا اور زبان بھی اس طرح ٹیڑھی میڑھی بنا دی کہ غیر سعودی اہلِ علم ان بدوؤں کی ایک بات بھی نہیں سمجھ سکتے اور مصریوں نے ق کو ہمزہ مثلہ سے اور ج کو گ سے بدل دیا ۔ حتیٰ کہ قرآن کو بھی اسی انداز سے پڑھتے ہیں ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

محفوظہ تراویح کی دوڑ میں شریک ہونے والے حفاظ و قراء کے لیے غور کا مقام ہے جو کہ جلدی فراغت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو اپنے ظلم کا تختۂ مشق بناتے ہیں اور اگر کوئی ان کو لقمہ دے دے تو غصہ سے آگ بگولہ ہو جاتے ہیں اور بعض تو سلام پھیر کر لقمہ دینے والے پر پل پڑتے ہیں اور اس کو اپنی جان بچانا مشکل ہو جاتی ہے ۔ خصوصاً مجہول پڑھنے والے تو قرآن کی لفظی اور معنوی شکل کو اس طرح مسخ کر دیتے ہیں کہ جیسے یہ قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب مخترع کو پڑھ رہے ہیں جس کا عربیت سے کوئی تعلق نہیں ۔

ایک بدعت کی ترویج

رمضان شریف میں شبینوں کا عام رواج ہو گیا ہے جس کا ثبوت خیر القرون میں نہیں ملتا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (متفق علیہ) " جو شخص ہمارے اس دین (کتاب وسنت) میں اپنی مرضی سے اضافہ کرے تو وہ مردود ہے " ہاں اگر طاق راتوں میں پوری رات کا قیام کیا جائے تو سنت بھی ہے اور عبادت بھی ۔

[1] بندہ ناچیز راقم الحروف کی قرآن مجید پڑھنے کی سند تیئس واسطوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے (عزیزیہ)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم کیا اس نے کچھ نہیں سمجھا چنانچہ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (مزمل) " قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھا کرو"

ترتیل کے معنی

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ترتیل کے معنی اس طرح مروی ہیں، هُوَ تَجْوِيدُ الْحُرُوفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوفِ " حروف کو تجوید سے ادا کرنا اور اوقات کا پہچاننا " حروف کی تجوید کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے مخارج سے ادا کیا جائے اور ان کی صفات کا لحاظ رکھا جائے۔ کل مخارج حروف سترہ ہیں۔ اور صفات لازمہ بھی سترہ ہیں۔ یعنی صفات لازمۂ عارضہ تمام کو ملحوظ رکھنا اور اوقات کا جاننا کہ کہاں پر وقف کرنا درست اور کہاں نادرست ہے۔ تجوید میں ہر حرف کو اپنے مخرج سے ادا کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ لفظ بگڑ کر مفہوم معکوس ہونے کا خطرہ ہے مثلاً لفظ اضاءۃ کے معنی روشن کرنے کے ہیں اور لفظ اضاعۃ کے معنی ضائع کرنے کے لیکن اگر اضاعۃ کے عین کو اپنے مخرج سے ادا نہ کیا اور ہمزہ کی طرح پڑھا جائے تو دونوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا اور یہی حال صفات لازمہ کا ہے۔

تلاوتِ قرآن کے طریقے تین ہیں

۱۔ ترتیل[1] یہ کہ تجوید کے اصول و قواعد کے مطابق قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر بڑے آرام سے پڑھا جائے۔

۲۔ تدویر:۔ ترتیل کی شرائط کے مطابق ذرا تیز پڑھا جائے۔

۳۔ حدر:۔ شرائط بالا کے مطابق مذکورہ دونوں قسموں سے زیادہ تیزی سے پڑھا جائے۔ جیسا کہ قیام رمضان میں پڑھا جاتا ہے۔

---

[1] سعودی عرب میں ترتیل کو تجوید اور تدویر کو ترتیل سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اب آیت کریمہ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا پر غور فرمائیے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم کیوں دیا ہے؟ تاکہ اس کا حسن و جمال اپنی اصلی شکل میں باقی رہے۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اپنے ان بندوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے جو کتاب کے حامل ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ط (بقرہ آیت ۱۲۱) " جن لوگوں کو ہم نے کتاب (یعنی قرآن) دی ہے وہ اس کو پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہی لوگ اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں۔

حقِ تلاوت ادا کرنے کا مطلب

یہ ہے کہ اسے کلام الٰہی سمجھ کر صحیح پڑھا جائے۔ معانی پر غور کیا جائے۔ پڑھتے ہوئے خشوع و خضوع طاری ہو جائے۔ آیات رحمت پر سوال کیا جائے۔ آیات عذاب پر پناہ طلب کی جائے۔ منعم علیہم لوگوں کی عادات و اخلاق کو اپنانے کی کوشش کی جائے۔ مغضوب علیہم کے افعال قبیحہ اور عادات سیئہ سے بُعد اور نفرت پیدا ہو جائے اس طرح کتاب پر ایمان کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔

قرآن کو صحیح اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مطلوب و محمود ہے

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۔ اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کیا تاکہ تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھے۔ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ نازل کیا ہے (بنی اسرائیل آیت ۱۰۶)

قرآن کو جدا جدا اور واضح کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو آرام سے یعنی ترتیل یا تدویر سے پڑھا جائے۔ جلالین میں نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا کا معنی شَيْئًا فَشَيْئًا کے ساتھ کیا گیا ہے یعنی آہستہ آہستہ۔ تفعیل کے باب میں تدریج پائی جاتی ہے جیسے تقطیع ٹکڑے ٹکڑے کرنا تخصیص خاص کرنا یعنی حسب ضرورت تعین کرنا۔ تدریج آہستہ آہستہ رواج دینا وغیر ذالك من الامثلة الكثيرة لیکن باب افعال میں اس کا عکس ہے اسی لیے اللہ تعالےٰ نے قرآن

(باقی صفحہ ۳ پر)

مولانا عزیز زبیدی ۔ ایڈیٹر ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" لاہور

جناب پرویز کی مجبوریاں اور سینہ زوریاں

جماعت کے معروف عالم اور نامور اہلِ قلم مولانا عزیز زبیدی صاحب، جو پہلے بھی ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" لاہور کے ایک عرصے تک ایڈیٹر رہے ہیں اور اب اس کے دَورِ جدید کے بھی ایڈیٹر ہیں۔ یہ بات باعثِ صد مسرت ہے کہ مولانا موصوف اب واربرٹن (ضلع شیخوپورہ) سے نقلِ مکانی فرما کر مستقل طور پر لاہور تشریف لے آئے ہیں۔ ان کا نیا پتہ حسب ذیل ہے:

مولانا عزیز زبیدی، گلی ۲۴ نیا کریل، شالامار ٹاؤن، لاہور ۹

لہٰذا احباب آئندہ ان سے نئے پتے پر خط و کتابت فرمائیں ______ (ادارہ)

افتادِ طبع اور سینہ زوری

جناب غلام احمد پرویز مشہور اہلِ قلم ہیں۔ مغربی فلسفہ اور حکمت کا خاص مطالعہ کیا ہے۔ اور برٹش کے دورِ غلامی میں انہی کی قائم کردہ درسگاہوں میں تعلیم پائی ہے۔ اس لیے موصوف کے اندازِ نظر پر تقریباً وہی رنگ اور وہی خمار طاری رہتا ہے۔ اور یہ بالکل ایک قدرتی بات ہے کہ شب و روز جس ماحول اور فضا میں گذریں اسی کے مطابق عموماً طبیعت بن جاتی ہے ـــ اس سے بڑھ کر اس کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ یورپین افاضل اور مؤرخین نے اگر کوئی خاص بات لکھ دی ہے تو موصوف اس کو ایک عظیم الشان دریافت تصور کر کے مقامِ احتجاج پر بطور دلیل پیش فرماتے ہیں، پھر اس پر اپنے مفروضہ کی عمارت کھڑی کر کے ایک دنیا بسا لیتے ہیں۔ ان کا وہ مفروضہ دینی ہو یا دنیوی، بہرحال مغربی اہلِ علم حضرات کے انکشاف کو قبول کرتے ہوئے ان کو قطعاً کوئی جھجک اور تردد نہیں ہوتا۔

دوسری طرف موصوف کی فکری اور ذہنی بے یقینی کا یہ عالم ہے کہ اگر احادیث کے نام سے کسی تصور، حکمت یا واقعہ کو بیان کیا گیا ہے تو اس وقت موصوف کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ تمام "ناممکنات" وہاں جمع ہو جاتے ہیں یعقل و ہوش پورے جلال کے ساتھ اس کا منہ چڑاتے ہوئے ان کو نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ قرآن حکیم کو بھی اس کے خلاف چلاتا ہوا دکھاتے ہیں۔ ان کو یورپین علمی سرکار (جو موصوف کے لیے وحی سے کم نہیں ہے۔) اس کے خلاف مذاق اور استہزاء کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ فطرت اور مشاہدات کا ہر ذرہ حدیثِ پاک کے پیش کردہ بیان کے خلاف گواہی دیتا ہو[illegible] کو محسوس ہونے لگتا ہے۔ یعنی "ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے"

ایک اور لطیفہ بھی سنیئے: اگر وہی بات جو احادیث کے ذخیرہ میں موجود ہے، اس کو اور کوئی مورخ مثلاً طبری، ابن کثیر، ابن اثیر وغیرہ ذکر کر دے، تو پھر وہی شے موصوف کے لیے حجت اور علمی سرمایہ ثابت ہو جاتی ہے۔ "تلك اذا قسمة ضيزى"

عالمِ مجبوری

موصوف کی اس سینہ زوری کے ساتھ ساتھ ان کی یہ مجبوری بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اگر موصوف کو کسی اسلامی موضوع پر قلم اٹھانے یا بولنے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کے لیے نظائر و شواہد پیش کرنے پڑیں یا اپنے خانہ ساز مفروضہ کے لیے کوئی بنیاد اور اساس مہیا کرنا پڑے تو موصوف مجبور ہو جاتے ہیں کہ اسلامی تاریخ اور کتب احادیث سے "المدد" کہیں، لیکن موصوف کو کھٹکا در پیش رہتا ہے کہ کوئی کیا

ہے گا۔ کہ جس چیز کو خود عجمی سازش سے تعبیر کرتے ہیں تو اسی سے اپنے لیے تنکے جمع کر کے "بھان متی کا کنبہ جوڑنے لگی ہے"؟ چنانچہ اپنا ذہنی بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک نیا فلسفہ گھڑ کے اپنے نفس اور خلقِ خدا کو فریب دینا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک موقع پر موصوف کو "عہد فاروقی" سے "اسلام کا سیاسی نظام" کشید کرنے کی ضرورت پیش آئی تو "چور کی داڑھی میں تنکا" فکر لاحق ہو گئی کہ اب اپنے مطلب کے لیے عجمی سازش کے اس پلندے "اسلام کا سیاسی نظام" مرتب کرتے ہوئے لوگ ان کو دیکھ نہ لیں۔

طلوعِ اسلام۔ ماہ فروری

موصوف کی اس کمزوری کو چھپانے اور اس سلسلے کے الزام سے بچنے کے لیے "طلوعِ اسلام ماہ فروری ۱۹۸۵ء میں یوں تحریر کیا گیا ہے کہ:

"۱۔ پرویز صاحب بھی صدر اول کے متعلق جو کچھ لکھتے ہیں اس کا مدار بہرحال ہماری تاریخ پر ہی ہوتا ہے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔ اور ہماری تاریخ جس رطب و یابس کا مجموعہ ہے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ پرویز صاحب کا مسلک یہ ہے کہ اس تاریخ میں جو واقعات ایسے ہیں جو قرآن مجید کے خلاف نہیں انہیں صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کبار کی زندگی قرآن کے مطابق تھی اس لیے اس دور کی تاریخ کے متعلق جو کچھ پرویز صاحب لکھتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے۔ جو ان کی بصیرت کے مطابق قرآن کے مطابق ہے۔"

عجیب تضاد

اس میں کس قدر تضاد ہے کہ شروع میں فرمایا ہے کہ: جو واقعات ایسے ہیں جو قرآن مجید کے خلاف نہیں، انہیں صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے" اس کا یہ واضح مطلب ہے کہ پیش آمدہ صحت قرآن کے صرف خلاف نہ ہو باقی رہا یہ کہ وہ اس کے مطابق بھی ہو؟ یہ ضروری نہیں ــــ مگر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ "قرآن کے مطابق ہو" ــــ یعنی صرف منفی پہلو کافی نہیں مثبت بھی ہو کہ در قرآن پاک میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہو۔ اس تضاد کے دُور رس نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟ وہ کسی قانون دان فاضل سے دریافت فرمالیجئے۔

اس کے علاوہ، جو بات کسی واقعہ سے اخذ کی جا رہی ہے ظاہر ہے کہ وہ بعینہٖ قرآن مجید تو نہیں ہوگا۔ اب اس کا کون ضامن ہے کہ جس سے فلاں ضابطۂ نظام یا قانون اخذ کیا جا رہا ہے کیا وہ واقعہ پیش آیا بھی ہے یا نہیں؟ جب اصلی بنیاد اور اساس غیر یقینی رہی تو اس سے دوسرا موضوع کشید کرنا کیسے صحیح رہے گا؟

پھر یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ جو واقعہ قرآن کے خلاف نہیں ہے کیا اسے اسلام کے سگلے منڈھا بھی جا سکتا ہے کہ: یہ اصول اور قانون، اسلام ہے، ایمان ہے؟ آخر یہ کہاں کا فلسفہ ہے کہ ایک ایسی شے کے سلسلے میں یہ وعدے کرنا کہ یہ قرآن ہے۔ اسلام ہے اور نبوی فرمان ہے؟ جو صحیح سند یا آیت سے ثابت ہی نہیں ہے۔ دراصل یہ اسلوب نظر اسرائیلی ہے حجازی نہیں ہے۔

احادیث کا معیار ہی تاریخ سے کہیں ارفع ہے جو بے سروپا اور سنی سنائی حکایات پر مبنی ہے۔ احادیث کی سند موجود ہوتی ہے۔ متعلقہ راویوں کا تفصیلی جائزہ بھی رجال کی کتابوں میں موجود ہے۔ پھر ان کے متن کے ساتھ ساتھ ان کے مضامین اور مفاہیم کے بارے میں بھی ان ائمہ حدیث نے اپنی عظیم بصیرت اور فراست کے ذریعے اطمینان حاصل کیا ہے جن کی علمی، روحانی اور روایتی حیثیت مسلمہ ہی ہے۔ ان تمام مراحل کے باوجود جناب پرویز کے لیے ان کی علمی اور اور شرعی حیثیت محلِ نظر ہے۔ لیکن جن واقعات کو اس تاریخ نے اگل دیا ہے جو بقول طلوعِ اسلام "رطب و یابس کا مجموعہ ہے"، وہ موصوف کے مفروضات دینیہ اور تاریخیہ کی اساس بھی بن سکتی ہے۔ اور اس کو صحیح تسلیم بھی کیا جا سکتا ہے۔ این چہ بوالعجبی است!

ملک عبدالرشید عراقی ۔ سوہدرہ

تحریکِ پاکستان میں اہلحدیث علماء کی خدمات

تحریکِ آزادیٔ ہند میں علمائے کرام نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا تھا . جس کے باعث عوام میں جوش و خروش پیدا ہوا ۔ علمائے کرام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے عوام کو آزادی کے مفہوم سے آگاہ کیا ۔ اس سلسلے میں علمائے اہل حدیث کی خدمات بھی قابلِ قدر ہیں ۔ علمائے اہلحدیث نے بھی تقریر و تحریر کے ذریعہ مسلمانوں میں جذبہ پیدا کیا اور ملکی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کیا ۔ تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں جماعت اہل حدیث کے مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ مرحوم امرتسری ، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مرحوم اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی مرحوم کی خدمات تاریخ کا ایک حصہ ہیں ۔ اس مقالہ میں ان کی سیاسی خدمات کا تذکرہ پیش خدمت ہے (عبدالرشید عراقی)

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ

مولانا ثناء اللہ مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ۔ اللہ تعالٰی نے بیک وقت بہت سی خوبیاں ان میں جمع کر دی تھیں ۔ وہ مفسر تھے ۔ عالم تھے ۔ متکلم تھے ۔ صحافی تھے ۔ اور فنِ مناظرہ کے تو امام تھے ۔ عیسائی ، قادیانی ، شیعہ ، آریہ ، بریلوی ، اہلِ بدع سبھی ان سے مناظرہ کرنے سے بدکتے تھے ۔ انہوں نے اپنی ان تمام گوناگوں حیثیات سے مسلک اہل حدیث کو فائدہ پہنچایا ۔ اور اپنے واحد "اہل حدیث" اخبار کے ذریعہ تحریک اہل حدیث کو بلندیوں پر پہنچا دیا ۔ یہ تحریک اہل حدیث کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو ان جیسا وسیع العلم ، وسیع النظر اور وسیع المطالعہ عالم اور فعال کارکن و سرگرم مبلغ و مناظر مل گیا ۔ جس نے اپنی تصنیفات ، مضامین اور تحریروں سے تحریک اہل حدیث میں ایک زبردست طاقت بھر دی ۔ جس سے ہندوستان کے بڑے بڑے مذاہب کے نظامات متزلزل ہو گئے ۔

آپ پوری نصف صدی تک ہر اُس قوت کے سامنے سینہ سپر رہے جو اسلام ، شارع اسلام اور حاملینِ اسلام پر حملہ آور ہوتی رہی ۔ اور بقول علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا ۔ ان کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیرِ بے نیام ہوتا تھا " علامہ سید رشید رضا مصری (م ۱۳۵۴ھ) نے لکھا تھا " مولانا ثناء اللہ برصغیر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں ۔ اور ان کی خدمات ان کے زہد و تقوٰی کو دیکھ کر ایک آدمی کہہ سکتا ہے کہ وہ عام آدمی نہیں بلکہ اجل الٰہی ہیں " ۔

آپ ۱۲۸۷ھ / ۱۸۶۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے ۔ ۷ سال کی عمر میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے ۔ ان کا آبائی پیشہ رفوگری تھا ۔ اس لیے آپ نے اپنا پیشہ اختیار کیا ۔ ایک بزرگ عالم نے پڑھنے کی ترغیب دی ۔ چنانچہ آپ نے رفوگری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ۔ گویا ع

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی

۱۴ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدائی تعلیم مولینا احمد اللہ امرتسری (م ۱۳۳۶ھ) سے حاصل کی۔ بعد ازاں شیخ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادیؒ (م ۱۳۳۴ھ) کی خدمت میں حاضر ہو کر کتب درسیہ پڑھ کر سند حاصل کی ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں وزیرآباد سے فارغ ہو کر حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ (م ۱۳۲۰ھ) کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ اور مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادیؒ کی سند دکھا کر اجازتِ تدریس حاصل کی۔ اس کے بعد دیوبند حاضر ہوئے۔ اور مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اسیر مالٹا (م ۱۳۳۹ھ) سے بھی کتب درسیہ معقول و منقول پڑھیں۔ دیوبند سے کان پور پہنچے اور مدرسہ فیض عام کان پور کے صدر مدرس مولانا احمد حسن سے بھی پڑھا۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں کان پور سے فراغت پائی۔ اسی سال یعنی ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں مولانا شبلی نعمانیؒ (م ۱۳۳۲ھ) کی صدارت میں جو جلسہ ہوا تھا۔ اور ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس میں مولانا ثناء اللہ مرحوم ایک بنیادی رکن کی حیثیت سے شامل ہوتے تھے۔ اور بقول علامہ سید سلیمان ندوی سب سے کم عمر رکن تھے۔

تحصیل علم کے بعد تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور جس مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں آپ نے تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ اسی مدرسہ میں آپ کا تقرر بحیثیت صدر مدرس ہوا۔ ۱۹۰۰ء میں آپ نے تدریس کے شعبہ سے علیحدگی اختیار کی اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم اوائل عمر ہی سے مختلف مذاہب اور مکاتبِ فکر کے عقائد و خیالات کی تحقیق و ریسرچ کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ اس لیے تدریسی و تصنیفی مصروفیات کے باوجود اہل باطل کی تردید و بیخ کنی کا بیڑہ اٹھایا۔ چنانچہ آپ اپنے اس مشن میں پوری طرح کامیاب و کامران ہوئے۔ آپ نے جس فضاء میں آنکھ کھولی تھی اس وقت اسلام کے تین دشمن اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور نظر آ رہے تھے۔

(۱) آریہ
(۲) عیسائی
(۳) قادیانی

آریہ جو ماضی قریب کی پیداوار تھے۔ اور سرزمین ہند سے اسلام کا نام و نشان مٹا دینے کا عزم رکھتے تھے۔

عیسائی: جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں مکمل سیاسی غلبہ حاصل کر لینے کے بعد اسلامی افکار و عقائد کے خلاف زہر افشانی شروع کر رکھی تھی۔

قادیانی: جو سامراج کا خود کاشتہ پودا تھے جن کے سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ اور ان کے تازہ دعوائے مسیحیت نے اسلامی حلقوں میں ایک اضطراب پیدا کر دیا تھا۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے ان تینوں فرقہ ہائے باطلہ کے خلاف قلم اٹھایا۔ اور آپ ساری زندگی کامیابی کے ساتھ یہ لڑائی لڑتے رہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:۔

"اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔ ان کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا۔ اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کر دی" (یاد رفتگان ۔ ص ۴۱۸)

مولانا ثناء اللہ مرحوم کی تحصیل علم کا مقصد صرف یہ تھا کہ مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی جائے۔ اس کے حفظ و بقاء کے سلسلہ میں ہر قسم کی تحریری و تقریری مدافعت کی جائے۔ اور کتاب و سنت کو زندہ و باقی رکھا جائے۔ کتاب و سنت کے احیاء و بقا کے لیے آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی اور اس کے ساتھ شرک و کفر کی تردید اور بدعات و محدثات کا استیصال بھی کیا۔ مولانا نے ان مقاصد کے حصول کے لیے قلم و قرطاس کا نہایت مؤثر استعمال بھی کیا۔ ذاتی اخبارات میں مدلل علمی مقالات کے علاوہ آپ کی تصانیف نے مذاہب باطلہ کی بیخ کنی کی اور ان کے استیصال میں نہایت جاندار اور بھرپور کردار ادا کیا۔

مولانا ثناء اللہ نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور آپ کی

تصانیف ایک بہترین علمی و تحقیقی مواد پر مشتمل ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۳۱ ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ تفاسیر قرآن مجید	۷
۲۔ تردیدِ عیسائیت	۶
۳۔ تردیدِ آریہ	۳۲
۴۔ تردیدِ قادیانیت	۳۶
۵۔ در تذکارِ تقلیدیانِ احناف	۱۱
۶۔ حمایتِ اہل حدیث	۵
۷۔ تنقیدی کتب	۱۰
۸۔ عامۃ المسلمین اور اسلامی کتب	۹
۹۔ علمی و ادبی تصانیف	۱۵

ملّتِ اسلامیہ کو متحد کرنے اور اسلام کے حفظ و بقاء کے لیے یہ ضروری تھا کہ برصغیر میں ایک ایسی نمایندہ اور اجتماعی قیادت کا قیام عمل میں لایا جائے جو زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل رہنمائی کی اہلیت رکھتی۔ اس مقصد کے لئے آپ نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی تنظیم کی۔ ندوۃ العلماء کا قیام تو عمل میں آچکا تھا، جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے بعد مسلمان عمائدین نے محسوس کیا کہ ایک دینی و سیاسی قیادت کی ضرورت ہے چنانچہ ۱۹۱۹ء میں آپ کی تحریک پر دہلی میں ہر مکتب فکر کے علما کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں کثرت رائے سے جمعیۃ العلماء کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ اور آپ ہی کی تحریک پر دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں جمعیۃ العلماء کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ) نے کی۔

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادیؒ (م ۱۳۶۱ھ) اس اجلاس کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "اب مجلس میں داخلے کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے پہلو میں مولانا ثناء اللہ تشریف فرما ہیں۔ اور صدارت کے فرائض زبردستی خود انجام دے رہے ہیں اور مولانا ثناء اللہ مفتی صاحب کو بولنے نہیں دیتے تھے۔ اور مداخلت کا گویا ٹھیکہ لئے بیٹھے ہیں" (ذکرِ آزاد ص ۶۱)

برصغیر کی سیاست میں مولانا ثناء اللہ مرحوم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ابتداء میں انڈین نیشنل کانگرس ملک کی واحد نمایندہ جماعت تھی۔ جس میں ہندو اور مسلمان سب شامل تھے۔ اس لیے مولانا امرتسری بھی ابتداءً کانگرس میں شامل ہوئے اور آپنے تحریک آزادی کے سلسلہ میں ایک اہم کردار کیا۔

۱۹۰۶ء میں مسلمانوں نے اپنی علیحدہ جماعت (مسلم لیگ) کی تشکیل کی۔ اور بہت سے مسلمان لیڈر کانگرس سے علیحدگی اختیار کرکے مسلم لیگ میں شامل ہوتے۔ ہندو کانگرسی لیڈر مخلص نہ تھے۔ اور مسلمان عمائدین کا اولین مقصد حصولِ آزادی کے ساتھ ساتھ اسلامی اقتدار اور نظامِ شریعت کا قیام تھا۔ خود مولانا امرتسری کا مطمحِ نظر بھی یہی تھا۔ اس لیے آپنے بھی کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

۱۹۱۹ء میں امرتسر ہندوستان میں سیاسیات کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں جلیانوالہ باغ میں ایک خونی ڈرامہ کھیلا گیا۔ جس میں ہزاروں مسلمانوں اور ہندوؤں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ اس خونی ڈرامہ سے تحریک آزادی کے نئے دور کا آغاز [illegible] ظلم و تشدد کے خلاف عوام نے علم بغاوت بلند کیا۔ جلیانو[illegible]غ کے شہیدوں نے اپنے خون سے آزادی کی شمع روشن کی۔ جلیانوالہ باغ کی قیامت کے بعد امرتسر میں تین بڑی سیاسی جماعتوں خلافت، کانگرس اور مسلم لیگ کے سالانہ جلسے منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ امرتسر میں یہ سیاسی اجتماعات اس شان و شوکت سے ہوئے کہ چشم فلک نے ایسا نظارہ کم دیکھا ہوگا۔ ہندوستان کے سب سیاسی رہنما ان جلسوں میں موجود تھے مگر علی برادران (مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی) کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ یہ دونوں بھائی اسیر تھے۔ مسلم لیگ کے اجلاس کے پہلے روز مولانا ثناء اللہ صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے خطبہ پڑھ رہے تھے کہ تار سے اطلاع ملی کہ علی برادران رہا کر دیئے گئے ہیں۔ اور وہ جلسہ میں شرکت کے لیے امرتسر آرہے ہیں۔ جلسہ کے صدر مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے یہ تار حاضرین کو سنایا اور

فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ علی برادران ان دنوں بے تاج بادشاہ تھے اور لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے تھے وہ امرتسر پہنچے تو ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔

مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی اجلاس میں تشریف لائے۔ قرآن پاک کی تلاوت کے بعد حکیم مشرق علامہ اقبال کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے علی برادران کے خیر مقدم میں یہ اشعار پڑھے :-

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندانِ صدف سے ارجمند
مشکِ اذفر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند
"شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند"

(کلیاتِ اقبال ص ۳۵۳)

اس اجلاس میں مولانا محمد علی نے خطاب کیا۔ اور اسی اجلاس میں قائد اعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔ مسلم لیگ کا یہ جلسہ انتظامات اور دیگر کارکردگی کے اعتبار سے بہتر تھا۔ مسلم لیگ کا جلسہ ختم ہوا۔ تو تمام اکابر نے انتظامات پر مولانا ثناء اللہ امرتسری کو مبارکباد دی۔ مولانا امرتسری مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ آپ نے مسلم لیگ اور دوسری جماعتوں کے جلسوں کو کامیاب بنانے میں بڑا حصہ لیا۔ مولانا امرتسری جہاں ایک ممتاز عالم دین، مناظر اور صحافی تھے، مگر مسلم لیگ کے جلسے کے بعد یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ مولانا ایک بہت بڑے منتظم بھی ہیں۔ صدر استقبالیہ کی حیثیت سے ان کا خطبہ شاہکار کی حیثیت رکھتا تھا۔

سنہ ۱۹۱۸ء میں ترکی کی شکست کے بعد مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں مولوی فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مگر مولوی فضل الحق نے خطبہ صدارت کی بجائے پُرجوش تقریر کی۔ ڈاکٹر انصاری کا خطبہ استقبالیہ ضبط کر لیا گیا۔ اس اجلاس میں مسلم اکابرین کے علاوہ ملک کے ممتاز علمائے کرام نے بھی شرکت کی۔ مولانا امرتسری بھی اس جلاس میں شریک تھے۔ اور آپ نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس میں آپ نے ترکی کو ہندی مسلمانوں کی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں ہندوستان بھر سے ہندو اور مسلم لیڈروں کا ایک نمائندہ وفد وائسرائے سے ملا۔ تو اس میں بھی مولانا ثناء اللہ شامل تھے۔ اس وفد میں گاندھی جی، مولانا محمد علی، پنڈت نہرو، حکیم اجمل خاں اور قائد اعظم محمد علی جناح شامل تھے۔ اس وفد نے وائسرائے سے ترکی اور خلافت کے بارے میں مطالبات کئے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا کا سیاست میں کس قدر مقام تھا۔

مولانا ثناء اللہ نے مسلم لیگ سے ایسا رشتہ جوڑا کہ زندگی کے آخری لمحات اسی جماعت سے وابستہ رہے۔ سیاست میں مختلف ادوار آئے۔ مگر ان کی مسلم لیگ سے وابستگی میں کچھ فرق نہ آیا۔ مسلم لیگ سے پہلے آپ کانگرس سے وابستہ تھے۔ مگر نہرو رپورٹ کے بعد آپ کے لیے کانگرس میں رہنے کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے آپ نے کانگرس سے رشتہ توڑ دیا۔ اور آپ کی تمام ہمدردیاں مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئیں۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد میں جب علامہ اقبال نے اسلامی ریاست (پاکستان) کا تصور پیش کیا۔ تو مولانا ثناء اللہ نے اپنے اخبار اہل حدیث میں اس کی پُرجوش حمایت کی اور کئی مقالات اس کی تائید میں لکھے۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے قرارداد پاکستان منظور کر کے اپنی منزل متعین کر لی۔ تو مولانا ثناء اللہ بڑے مسرور و شاداں تھے۔ ان کی تمام تر صلاحیتیں مسلم لیگ کے لیے وقف تھیں۔ وہ اخبار اہل حدیث میں مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں مقالات لکھتے۔ اور اجتماعات میں پاکستان کے محاسن بیان کرتے۔ انہوں نے بالخصوص اہل حدیث حضرات کو ترغیب دی کہ وہ اجتماعی طور پر تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔

آپ کی تحریک پر سنہ ۱۹۴۶ء میں جماعت اہل حدیث کلکتہ کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان کانفرنس مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ

(م ۱۳۷۵ھ) کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں مولانا ثناء اللہ کی تجویز پر اتفاق رائے سے فیصلہ ہوا کہ جماعت اہل حدیث مسلم لیگ سے متفق ہے۔ اور مسلم لیگ میں شمولیت میں نہ صرف جماعتی مفاد سمجھتی ہے بلکہ اُسے اسلامیانِ ہند کی واحد نمایندہ جماعت تسلیم کرتی ہے۔

مولانا ثناء اللہ کو ۱۹۱۸ء میں قائد اعظم سے ملنے کا موقع ملا۔ اور ۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر میں تو مولانا خود صدر مجلس استقبالیہ تھے۔ مولانا امرتسری نے اپنی ۴۰ سالہ سیاسی زندگی میں ہمیشہ قائد اعظم کی حمایت کی۔

مولانا ثناء اللہ حکیم مشرق علامہ اقبال کے بھی بہت مداح تھے۔ علامہ اقبال نے اسلامی قومیت کا جو تصور پیش کیا تھا۔ مولانا اس کے بہت پُرجوش داعی تھے۔ مولانا ثناء اللہ کی یہ رائے تھی کہ مسلمان ایک مستقل اور جداگانہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں وہ متحدہ قومیت کے سخت مخالف تھے۔

مولانا ثناء اللہ ایک خوش نوا خطیب، مفسر اور مناظر ہونے کے علاوہ بہترین ادیب اور صحافی بھی تھے۔ ۱۹۰۰ء میں اخبار مسلمان نکال کر صحافت کا آغاز کیا۔ اور ۱۹۰۳ء میں اخبار اہلحدیث جاری کیا۔ جو ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ مولانا ایک کامیاب اور بلند پایہ مفسر قرآن تھے۔ آپ نے ایک تفسیر عربی میں "تفسیر القرآن بکلام الرحمان" اور ایک اُردو میں "تفسیر ثنائی" کے نام سے جلدوں میں لکھی۔ آپ کی عربی تفسیر اسلامی ممالک میں بے حد پسند کی گئی۔

اتحاد عالم اسلامی کے سلسلے میں بھی آپ کی خدمات گرانقدر ہیں۔

۱۹۲۶ء کے موتمر عالم اسلامی کے جلسہ منعقدہ مکہ معظمہ میں بھی آپ نے شرکت کی تھی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا، تو مولانا ثناء اللہ نے امرتسر کو خیرباد کہہ کر پاکستان کی طرف ہجرت کی ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ کے اکلوتے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ شہید ہوئے۔ آپ نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ اور امرتسر میں ان کو سپرد خاک کیا گیا۔ آپ امرتسر سے لاہور آئے۔ لاہور میں چند روز قیام کے بعد مولانا اسمٰعیل السلفیؒ (م ۱۳۸۷ھ) کی تحریک پر گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔ اور اس کے بعد آپ سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے۔ جہاں آپ کو آپ کے ثنائی برقی پریس امرتسر کے بدلے ایک پریس الاٹ ہوا تھا۔ فروری ۱۹۴۸ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ——— (باقی)

بقیہ: قرآن کریم

کے لیے تنزیل کا لفظ استعمال فرمایا اور دوسری کتب سماویہ کے لیے انزال کا۔ ملاحظہ فرمائیں۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (آل عمران آیت ع ۳) "یعنی اللہ تعالٰی نے آپ پر کتاب کو (بتدریج) نازل کیا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتی ہے اور تورات اور انجیل کو (یک بارگی) نازل کیا"

اگر کوئی اعتراض کرے کہ قرآن کے لیے بھی اَنْزَلَ کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ سو اس سے لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارنا مراد ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن تئیس سال میں نازل ہوا ہے۔ اسی بنا پر مکے والوں نے سوال کیا۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان آیت ۳۲) "اور کافروں نے کہا اس پر قرآن کو یکبارگی کیوں نہیں اتار دیا گیا (ہم نے) اسی طرح (اتارا) تاکہ اس کے ساتھ تیرے دل کی ڈھارس باندھے رکھیں اور ہم نے اس کو ترتیل سے پڑھا (باقی)

ضروری اعلان

۱۔ خبریں اور اعلانات مختصر بھیجیں
۲۔ تبلیغی رودادیں اور دیگر غیر ضروری تفصیلات شائع نہیں ہوں گی (۳) مضامین صاف اور خوش خط لکھیں
(۴) آیات واحادیث کے حوالے مکمل درج کریں۔ (ادارہ)

اطلاعات و اعلانات

سالانہ اہل حدیث کانفرنس ملتان

جمعیۃ اہل حدیث ملتان کے زیر اہتمام دو روزہ سالانہ اہل حدیث کانفرنس ۲۹-۳۰ مارچ ۱۹۸۵ء بروز جمعہ، ہفتہ منعقد ہو رہی ہے جس میں ملک بھر کے جید علمائے کرام شرکت فرمائیں گے۔ تفصیلی اشتہار عنقریب شائع کیا جائے گا (عبدالصبور ملک نائب ناظم جمعیۃ ہذا)

اپیل دعائے صحت

(۱) قاری محمد اشرف صاحب زاہد مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے والد محترم جناب غلام محمد صاحب تقریباً ایک ماہ سے جنرل ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ قارئین ان کی صحت کاملہ عاجلہ کے لیے دعاء فرمائیں۔

(۲) اپیل دعائے مغفرت :۔ محترم جناب سید بارک اللہ شاہ صاحب خطیب جامع مسجد اہل حدیث گنڈھیاں روڈ کوٹ رادھاکشن کے والد گرامی قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون موصوف پابند صوم و صلوٰۃ اور تہجد گذار تھے۔ قارئین سے التماس ہے کہ ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کریں اور ان کے لیے مغفرت کی دعاء کی جائے۔ (ابوالقاسم قاری محمد شفیع پرواز عربی ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول کوٹ رادھاکشن ضلع قصور)

انتقالِ پُرملال

حاجی خیرالدین صاحب مرحوم سیالکوٹی کی بڑی ہمشیرہ اور شیخ محمد ادریس صاحب سوت والے شاہ عالم مارکیٹ کی والدہ ماجدہ مؤرخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۸۴ء کو بعمر ۹۰ سال وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحومہ نہایت صالحہ خاتون تھیں۔ ادارہ الاعتصام مرحومہ کے ورثاء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ ان کے رفع درجات اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعاء کرتا ہے اور قارئین سے مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کا درخواست گزار ہے (ادارہ)

تعزیتی اجلاس

۸ جنوری ۱۹۸۵ء کو مدرسہ تعلیم الاسلام اور مسجد اہل حدیث (منڈروالی) کے امام و مدرس حافظ منظور صاحب کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور ان کی علمی اور دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے علاوہ غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی گئی اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی گئی (جلال دین سیکرٹری نشرواشاعت جامع مسجد محمدی اہل حدیث چک نمبر ۳۰ ای بی ساہیوال روڈ پاکپتن نزد جیتو فارم)

انتخابات

۱۔ انتخاب منتظمین مدرسہ نصرۃ الاسلام۔ بلتستان

صدر۔ مولانا جمال الدین صاحب۔ جنرل سیکرٹری۔ محمد نذیر صاحب ناظم تعلیمات۔ الشیخ محمد ایوب۔ خزانچی۔ مجاہد عبدالرحیم۔ نائب صدر۔ حاجی عبدالرحمن ضیمک۔ نائب سیکرٹری۔ حاجی علی عمر نائب خزانچی۔ عبدالشکور (محمد نذیر جنرل سیکرٹری)

۲۔ انتخاب اہل حدیث یوتھ فورس وزیر آباد

سرپرست: حافظ حیات صاحب۔ صدر: التمش اعجاز میر نائب صدر اول: محمد سعید نشان۔ نائب صدر دوم: مولانا محمد اشرف جنرل سیکرٹری: محمد نعیم انجم۔ جائنٹ سیکرٹری: محمد سعید خازن۔ محمد نعیم پہلوان۔ سیکرٹری نشرواشاعت۔ حاجی محمد شفیق۔

(جنرل سیکرٹری۔ محمد نعیم انجم)

۳۔ انتخاب جمعیت اہلحدیث لڑھکی گورایہ ضلع سیالکوٹ

صدر: حاجی محمد شریف۔ نائب صدر۔ ملک عبدالرشید سیکرٹری: ماسٹر محمد اکرم۔ جائنٹ سیکرٹری: محمد یوسف مغل خزانچی: محمد نواز۔ نائب خزانچی: مستری احمد دین (سیکرٹری انجمن اہل حدیث لڑھکی گورائیہ)

۴۔ انتخاب جمعیت اہلحدیث چک ۳۰ S.P پاک پتن

امیر: چوہدری شیر محمد عباسی۔ نائب امیر: چوہدری محمد اسماعیل سیکرٹری: چوہدری محمد شریف۔ سیکرٹری نشرواشاعت: چوہدری جلال دین۔ ناظم: خادم عبیداللہ۔ نائب ناظم: منصب علی خزانچی: چوہدری محمد صدیق ۲۹ S.P ناظم تعلیم: صوفی محمد انور (سیکرٹری نشرواشاعت چوہدری جلال دین)

(نوٹ از الاعتصام: سیکرٹری اور ناظم ایک ہی عہدہ ہے اس پر نظر ثانی فرمائیں)

دینی کتب کی ضرورت

گزارش ہے کہ ہمیں مندرجہ ذیل دو کتابوں کی اشد ضرورت ہے جس کے پاس ہوں قیمتاً یا عاریۃً ارسال فرمائیں۔ عاریۃً کی صورت میں فوٹو سٹیٹ کر کے واپس کر دی جائیں گی۔

(۱) تحفۃ الہند مصنفہ مولانا عبید اللہ مرحوم

(۲) ہندوستانی مسلمان: ڈاکٹر ہنٹر

(ملک عبد الصبور بھٹہ ناظم ادارۂ عالم اسلامی دعوۃ السلفیہ بوہڑ گیٹ ملتان)

مولانا میاں غلام رسولؒ قلعہ میاں سنگھ کی سوانح حیات

میاں غلام رسول قلعوی کی سوانح حیات پچاس سال کے بعد دوبارہ چھپوا کر پیش کی جا رہی ہے۔ عمدہ کتابت، طباعت، رنگین ٹائٹل سے مزین ۷۵ صفحات۔ ہدیہ ۱۸ روپے ہے مگر بطور ابلاغ آپ صرف بارہ روپے بھیج کر منگوا سکتے ہیں (خواجہ عطاء الرحمن اختر۔ ناظم امور مذہبیات مرکزی۔ الجمعیۃ الوہابیہ ۲۵/بی ۱۲ اپر سٹوری سٹیلائٹ ٹاؤن۔ گوجرانوالہ)

بقیہ: دو متضاد تصویریں

(خواہ وہ اس سے کیسا ہی قرب و اختصاص رکھتی ہو) معصوم مفترض الطاعۃ اور اس کو کسی طرح کی وحی کا مورد سمجھنا اگر شرک فی النبوۃ نہیں ہے تو "مشارکۃ فی النبوۃ" ضرور ہے، اُمّت کی وحدت اور اس کی شیرازہ بندی، اعتقادی، عملی انتشار سے حفاظت اور اس کی اندرونی طاقت، قوتِ ایمانی اور مرکزیت بہت کچھ ختم نبوت کے عقیدہ سے وابستہ ہے [۱] اور "مشارکۃ فی النبوۃ" کا عقیدہ [۲] اس کے منافی ہے۔ (باقی)

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "منصب نبوت" کا آٹھواں خطبہ ختم نبوت۔ ص ۲۵۱۔ ۲۸۵

[۲] فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے یہاں امامت کا عقیدہ اور امام کی تعریف اور خصائص ختم نبوت کے منافی اور مشارکۃ فی النبوت کے مرادف ہیں

طابع چوہدری عبداللطیف تسیم • مطبع اوسٹی پرنٹرز۔ لاہور • ناشر محمد عطاء اللہ حنیف • مقام اشاعت شیش محل روڈ۔ لاہور